

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا
اور سب مل کر اللہ کے دین کو مضبوط پکڑ لو۔

مُسْلِمَانوں کی موجودہ پستی کا علاج

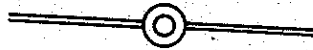


تجویز فرمودہ

حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب قس سترہ

مرتبہ

حضرت مولانا محمد احتشام الحسن صاحب کازھلوی دامت برکاتہم



مکتبہ رحمانیہ
اقترا سنٹر لاہور
اردو بازار

اظہارِ حقیقت

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

سیدی و مولائی زبدۃ الفضلاء قدوة العلماء حضرت مولانا محمد الیاس صاحب دام مجددہ کے خاص شغف اور انہماک اور دیگر بزرگانِ ملت اور علماء امت کی توجہ اور برکت اور عملی جدوجہد سے ایک عرصہ سے مخصوص انداز میں تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام کا سلسلہ جاری ہے جس سے باخبر طبقہ بخوبی واقف ہے۔

مجھ بے علم اور سیاہ کار کو ان مقدس ہستیوں کا حکم ہوا کہ اس طرزِ تبلیغ اور اسکی ضرورت اور اہمیت کو قلباً کیا جائے تاکہ سمجھنے، سمجھانے میں آسانی ہو اور نفع عام ہو جائے۔ تعمیلِ ارشاد میں یہ چند کلمات نذرِ قرطاس کیے جاتے ہیں جو ان مقدس ہستیوں کے دریائے علوم و معارف کے چند قطرے اور اس باغیچے دینِ محمدی ﷺ کے چند خوشے ہیں جو انتہائی غلت میں جمع کئے گئے۔ اگر ان میں کوئی غلطی یا کوتاہی نظر سے گزرے تو میری لغزشِ قلم اور بے علمی کا نتیجہ ہے۔ نظرِ لطف و کرم سے اس کی اصلاح فرمادیں تو موجبِ شکر و منت ہو گا۔

حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل و کرم سے میری بد اعمالیوں اور سیدہ کاریوں کی پردہ پوشی فرمائیں اور مجھے اور آپ کو ان مقدس ہستیوں کے طفیل سے اچھے کردار نصیب فرمائیں اور اپنی رضا و محبت اور اپنے پسندیدہ دین کی اشاعت اور اپنے برگزیدہ رسول ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی دولت سے سرفراز فرمائیں۔

خاکپائے بزرگانِ محمد ﷺ احتشام الحسن

۱۸ / رجب الثانی ۱۳۵۸ھ مدرسہ کاشف العلوم بستی حضرت نظام الدین اولیا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْأَوْلِيَاءِ وَالْآخِرِينَ نَحْنُ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ مُحَمَّدٌ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ۔

آج سے تقریباً ساڑھے تیرہ سو سال قبل جب دنیا کفر و ضلالت، جہالت و سفاہت کی تاریکیوں میں گھری ہوئی تھی۔ بطحاء کی سنگ لائخ پھاڑیوں سے رشد و ہدایت کا متاب نمودار ہوا اور مشرق و مغرب، شمال و جنوب غرض دُنیا کے ہر گوشہ کو اپنے نور سے منور کیا اور ۲۳ سال کے قلیل عرصہ میں بنی نوع انسان کو اس معراجِ ترقی پر پہنچایا کہ تاریخِ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے اور رشد و ہدایت، صلاح و فلاح کی وہ مشعل مسلمانوں کے ہاتھ میں دی جس کی روشنی میں ہمیشہ شاہراہِ ترقی پر گامزن رہے اور صدیوں اس شان و شوکت سے دنیا پر حکومت کی کہ ہر مخالف قوت کو ٹکرا کر پاش پاش ہونا پڑا یہ ایک حقیقت ہے جو ناقابلِ انکار ہے لیکن پھر بھی ایک پارینہ داستان ہے جس کا بار بار دہرانا نہ تسلی بخش ہے اور نہ کار آمد اور مفید، جب کہ موجودہ مشاہدات اور واقعات خود ہماری سابقہ زندگی اور ہمارے اسلاف کے کارناموں پر بد نما داغ لگا رہے ہیں۔

مسلمانوں کی تیرہ سو سالہ زندگی کو جب تاریخ کے اوراق میں دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم عزت و عظمت، شان و شوکت، دبدبہ و حشمت کے تمام مالک اور اجارہ دار ہیں لیکن جب ان اوراق سے نظر ہٹا کر موجودہ حالات کا مشاہدہ کیا جاتا ہے تو ہم انتہائی ذلت و خواری، افلاس و ناداری میں مبتلا نظر آتے ہیں، نہ زور و قوت ہے نہ زر و دولت ہے، نہ شان و شوکت ہے، نہ باہمی اخوت و الفت، نہ عادت اچھی، نہ اخلاق اچھے، نہ اعمال اچھے، نہ کردار اچھے۔ ہر برائی ہم میں موجود اور ہر بھلائی سے کوسوں دور۔ اغیار ہماری اس زبوں حالی پر خوش ہیں اور

بر ملا ہماری کمزوری کو اچھالا جاتا ہے اور ہمارا منہ مٹکا اڑایا جاتا ہے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ ہمارے جگر گوشے نئی تہذیب کے ولدادہ نوجوان اسلام کے مقدس اصولوں کا مذاق اڑاتے ہیں، بات بات پر تنقیدی نظر ڈالتے ہیں اور اس شریعت مقدسہ کو ناقابل عمل، لغو اور بیکار گردانتے ہیں۔ عقل حیران ہے کہ جس قوم نے دنیا کو سیراب کیا وہ آج کیوں تشنه ہے؟ جس قوم نے دنیا کو تہذیب و تمدن کا سبق پڑھلایا وہ آج کیوں غیر مہذب اور غیر متہذبن ہے؟ رہنمائی قوم نے آج سے بہت پہلے ہماری اس حالت زار کا اندازہ لگایا اور مختلف طریقوں پر ہماری اصلاح کے لیے جدوجہد کی مگر صاع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

آج جب کہ حالت بد سے بدتر ہو چکی اور آنے والا زمانہ، سبق سے بھی زیادہ پرخطر اور تاریک نظر آ رہا ہے۔ ہمارا خاموش بیٹھنا اور عملی جدوجہد نہ کرنا ایک ناقابل تلافی جرم ہے لیکن اس سے پہلے کہ ہم کوئی عملی قدم اٹھائیں، ضروری ہے کہ ان اسباب پر غور کریں جن کے باعث ہم اس زلت و خواری کے عذاب میں مبتلا کیے گئے ہیں۔ ہماری اس پستی اور انحطاط کے مختلف اسباب بیان کیے جاتے ہیں۔ اور ان کے ازالہ کی متعدد تدابیر اختیار کی گئیں ہر تدبیر ناموافق و ناکام ثابت ہوئی جس کے باعث ہمارے رہبر بھی یاس و ہراس میں گھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ اب تک ہمارے مرض کی تشخیص ہی پورے طور پر نہیں ہوئی۔ یہ جو کچھ اسباب بیان کیے جاتے ہیں۔ اصل مرض نہیں بلکہ اس کے عوارض ہیں پس تا وقتیکہ اصل مرض کی جانب توجہ نہ ہوگی اور مادہ حقیقی کی اصلاح نہ ہوگی، عوارض کی اصلاح ناممکن اور محال ہے۔ پس جب تک کہ ہم اصل مرض کی ٹھیک تشخیص اور اس کا صحیح علاج معلوم نہ کر لیں، ہمارا اصلاح کے بارے میں لب کشائی کرنا سخت ترین غلطی ہے۔

ہمارا یہ دعویٰ کرنا کہ ہماری شریعت ایک مکمل قانون الہی ہے جو ہماری ذہنی اور ذہنی فلاح و بہبود کا تاقیام قیامت ضامن ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم خود ہی اپنا مرض تشخیص کریں اور خود ہی اس کا علاج شروع کر دیں، بلکہ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم قرآن حکیم

سے اپنا اصل مرض معلوم کریں اور اسی مرکز رشد و ہدایت سے طریق علاج معلوم کر کے اس پر کاربند ہوں۔ جب قرآن حکیم قیامت تک کے لیے مکمل دستور العمل ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اس نازک حالت میں ہماری رہبری سے قاصر رہے۔

مالک ارض و سماء جل جلالہ کا سچا وعدہ ہے کہ روئے زمین کی بادشاہت و خلافت مؤمنوں کے لیے ہے۔

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ﴾

[النور: ۲۳: ۵۵]

”اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کیے کہ ان کو ضرور روئے زمین کا خلیفہ بنائے گا۔“

اور ان کو یہ بھی اطمینان دلایا کہ مؤمن ہمیشہ کفار پر غالب رہیں گے اور کافروں کا کوئی یار و مددگار نہ ہوگا۔

﴿وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوْا الْأَذْوَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا﴾

[الفتح: ۳۸: ۲۲]

”اور اگر تم سے یہ کافر لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے پھرتے پاتے کوئی یار و مددگار۔“

اور مؤمنوں کی نصرت اور مدد اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور وہی ہمیشہ سرپرست اور سرفراز رہیں گے۔

﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ [الروم: ۳۰: ۴۷]

”اور حق ہے ہم پر مدد ایمان والوں کی۔“

﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ [آل عمران: ۳: ۱۳۹]

”اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور غالب تم ہی رہو گے اگر تم پورے مؤمن رہے۔“

﴿وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ﴾ [المنافقون: ۲۳: ۸]

”اور اللہ ہی کی ہے عزت اور اس کے رسول ﷺ کی اور مسلمانوں کی۔“

مذکورہ بالا ارشادات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی عزت، شان و شوکت، سرپرستی و سرفرازی اور ہر برتری اور خوبی ان کی صفت ایمان کے ساتھ وابستہ ہے اگر ان کا تعلق خدا اور رسول کے ساتھ مستحکم ہے (جو ایمان کا مقصود ہے) تو سب کچھ ان کا

ہے اور اگر خدا نخواستہ اس رابطہ و تعلق میں کمی اور کمزوری پیدا ہو گئی ہے تو پھر سراسر خسران اور ذلت و خواری ہے جیسا کہ واضح طور پر بتلادیا گیا ہے:

﴿ وَالْعَصْرُ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ ﴾ [العصر]

”قسم ہے زمانہ کی انسان بڑے خسارے میں ہے مگر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے اور ایک دوسرے کو حق کی فمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو پابندی کی فمائش کرتے رہے۔“

ہمارے اسلاف عزت کے مہتاب کو پہنچے ہوئے تھے اور ہم انتہائی ذلت و خواری میں مبتلا ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ وہ کمال ایمان سے متصف تھے اور ہم اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہیں جیسا کہ مخبر صادق ﷺ نے خبر دی ہے۔

«سَيَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى مِنَ الْإِسْلَامِ إِلَّا اسْمُهُ وَلَا يَبْقَى مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا زَنْهُهُ»

”یعنی قریب ہی ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا اور قرآن کے صرف نقوش رہ جائیں گے۔“

اب غور طلب امر یہ ہے کہ اگر واقعی ہم اس حقیقی اسلام سے محروم ہو گئے جو خدا اور رسول ﷺ کے یہاں مطلوب ہے اور جس کے ساتھ ہماری دین و دنیا کی فلاح و بہبود وابستہ ہے تو کیا ذریعہ ہے جس سے وہ کھوئی ہوئی نعمت واپس آئے؟ اور وہ کیا اسباب ہیں جن کی وجہ سے روح اسلام ہم میں سے نکال لی گئی اور جسد بے جان رہ گئے۔

جب صحف آسمانی کی تلاوت کی جاتی ہے اور ”امت محمدیہ ﷺ“ کی فضیلت اور برتری کی علت و غایت ڈھونڈھی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کو ایک اعلیٰ اور برتر کام سپرد کیا گیا تھا جس کی وجہ سے ”خیر الامم“ کا معزز خطاب اس کو عطا کیا گیا۔

دنیا کی پیدائش کا مقصد اصلی خدا وحدہ لا شریک لہ کی ذات و صفات کی معرفت ہے اور یہ اس وقت تک ناممکن ہے کہ جب تک بنی نوع انسان کو برائیوں اور گندگیوں سے پاک کر کے بھلائیوں اور خوبیوں کے ساتھ آراستہ نہ کیا جائے۔ اسی مقصد کے لیے ہزاروں رسول اور نبی

بھیجے گئے اور آخر میں اس مقصد کی تکمیل کے لیے سید الانبیاء والمرسلین ﷺ کو مبعوث فرمایا اور ﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي﴾ [المائدہ: ۵: ۳] کا مژدہ سنایا گیا۔

اب چونکہ مقصد کی تکمیل ہو چکی تھی، ہر بھلائی اور برائی کو کھول کھول کر بیان کر دیا گیا تھا ایک مکمل نظام عمل دیا جا چکا تھا، اس لیے رسالت و نبوت کے سلسلہ کو ختم کر دیا گیا اور جو کام پہلے نبی ﷺ اور رسول ﷺ سے لیا جاتا تھا وہ قیامت تک ”امت محمدیہ ﷺ“ کے سپرد کر دیا گیا۔

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُوْمِنُونَ بِاللَّهِ ﴾ [آل عمران: ۳: ۱۱۰]

”اے امت محمدیہ ﷺ! تم افضل امت ہو تم کو لوگوں کے نفع کے لیے بھیجا گیا ہے۔ تم بھلی باتوں کو لوگوں میں پھیلاتے ہو اور بری باتوں سے ان کو روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔“

﴿ وَ لَتَكُنَّ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ ﴾ [آل عمران: ۳: ۱۰۴]

”اور چاہیے کہ تم میں ایسی جماعت ہو کہ لوگوں کو خیر کی طرف بلائے اور بھلی باتوں کا حکم کرے اور بری باتوں سے منع کرے اور صرف وہی لوگ فلاح والے ہیں جو اس کام کو کرتے ہیں۔“

پہلی آیت میں ”خیر امم“ ہونے کی وجہ یہ بتلائی کہ تم بھلائی کو پھیلاتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔ دوسری آیت میں حصر کے ساتھ فرما دیا کہ فلاح و بہبود صرف انہی لوگوں کے لیے ہے جو اس کام کو انجام دے رہے ہیں۔ اسی پر بس نہیں بلکہ دوسری جگہ صاف طور پر بیان کر دیا گیا کہ اس کام کو انجام نہ دینا لعنت اور پھٹکار کا موجب ہے۔

﴿ لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَ كَانُوا يَعْتَدُونَ ۝ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنِ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝ ﴾ [المائدہ: ۵: ۷۸، ۷۹]

”بنی اسرائیل میں جو لوگ کافر تھے ان پر لعنت کی گئی تھی۔ داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی زبان سے یہ لعنت اس سبب سے ہوئی کہ انہوں نے حکم کی مخالفت کی اور حد سے نکل گئے جو برا کام انہوں نے کر رکھا تھا اس سے باز نہ آتے تھے۔ واقعی ان کا یہ فعل بے شک برا تھا۔“

اس آخری آیت کی مزید وضاحت احادیث ذیل سے ہوتی ہے۔

① (و فی السنن والمسند من حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ إِنْ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانَ إِذَا عَمِلَ الْعَامِلَ فِيهِمْ بِالْخَطِيئَةِ جَاءَهُ النَّاهِنُ تَعَزُّبًا فَقَالَ يَا هَذَا اتَّقِ اللَّهَ فَإِذَا كَانَ مِنَ الْعَدِ جَالِسَةً وَ أَكَلَهُ وَ شَارَبَهُ كَأَنَّهُ لَمْ يَرَهُ عَلَى خَطِيئَةٍ بِالْأَمْسِ فَلَمَّا رَأَى عَزَّوَجَلَّ ذَلِكَ مِنْهُمْ ضَرَبَ بِقُلُوبٍ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ ثُمَّ لَعَنَهُمْ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِمْ دَاوُدَ وَ عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَ كَانُوا يَعْتَدُونَ وَ الَّذِي نَفْسٌ مُحَمَّدٌ بِيَدِهِ لَتَأْمُرَنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَ لَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ لَتَأْخُذَنَّ عَلَى يَدِ السَّيْفِ وَ لَتَأْظُنَّ عَلَى الْحَقِّ أَظْرًا أَوْ لِيَضْرِبَنَّ اللَّهُ بِقُلُوبٍ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ ثُمَّ يَلْعَنُكُمْ كَمَا لَعَنَهُمْ))

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں میں جب کوئی خطا کرتا تو روکنے والا اس کو دھمکاتا اور کہتا کہ خدا سے ڈر، پھر اگلے ہی دن اس کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا کھاتا پیتا گویا کل اس کو گناہ کرتے دیکھا ہی نہیں۔ جب حق عزوجل نے ان کا یہ برتاؤ دیکھا تو بعض کے قلوب کو بعض کے ساتھ خلط کر دیا اور ان کے نبی داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی زبانی ان پر لعنت کی اور یہ اس لیے کہ انہوں نے خدا کی نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کیا۔ تم سے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے تم ضرور اچھی باتوں کا حکم کرو اور بری باتوں سے منع کرو اور چاہیے کہ یہ قوف نادان کا ہاتھ پکڑو اس کو حق بات پر مجبور کرو۔ ورنہ حق تعالیٰ تمہارے قلوب کو بھی خلط ملط کر دیں گے، اور پھر تم پر بھی لعنت ہو گی جیسا کہ پہلی امتوں پر لعنت ہوئی۔“

② (و فی سنن ابی داؤد وَ ابْنِ مَاجَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَا مِنْ رَجُلٍ يَكُونُ فِي قَوْمٍ يَعْمَلُ فِيهِمْ بِالْمَعَاصِي يُقَدِّرُونَ عَلَى أَنْ يُغَيِّرُوا عَلَيْهِ وَلَا يُغَيِّرُونَ إِلَّا أَصَابَهُمُ اللَّهُ بِعِقَابٍ قَبْلَ أَنْ يَمُوتُوا))

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی جماعت اور قوم میں کوئی شخص گناہ کرتا ہے اور وہ قوم باوجود قدرت کے اس کو نہیں روکتی تو ان پر مرنے سے پہلے ہی حق تعالیٰ اپنا عذاب بھیج دیتے ہیں یعنی دنیا ہی میں ان کو طرح طرح کے مصائب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔“

③ (وَرَوَى الْأَصْبَهَانِيُّ عَنْ أَنَسِ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَا تَرَالِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَنْفَعُ مَنْ قَالَهَا وَ تَرُدُّ عَنْهُمْ الْعَذَابَ وَ التَّقِيَّةَ مَا لَمْ يَسْتَحْفُوا بِحَقِّهَا قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَ مَا الْأَسْتَحْفَاءُ بِحَقِّهَا قَالَ يَنْظُرُ الْعَمَلُ بِمَعَاصِي اللَّهِ فَلَا يَنْكُرُ وَلَا يَغَيِّرُ)) [ترغيب]

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمیشہ کلمہ لا الہ الا اللہ اپنے پڑھنے والے کو نفع دیتا ہے اور اس سے عذاب و بلا دور کرتا ہے جب تک کہ اس کے حقوق سے بے پروائی نہ برتی جائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اس کے حقوق کی بے پروائی کیا ہے؟ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ کی نافرمانی کلمے طور پر کی جائے پھر نہ ان کا انکار کیا جائے اور نہ ان کے بند کرنے کی کوشش کی جائے۔“

④ (عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ فَعَزَفْتُ فِي وَجْهِهِ أَنْ قَدْ حَصَرَهُ شَيْءٌ فَتَوَضَّأَ وَ مَا كَلَّمَ أَحَدًا فَلَصَّقْتُ بِالْخُجْرَةِ اسْتَمِعَ مَا يَقُولُ فَقَعَدَ عَلَيَّ الْمُنْبِرَ فَحَمِدَ اللَّهَ وَ أثنى عَلَيْهِ وَ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ لَكُمْ مُرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَ انْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ قَبْلَ أَنْ تَدْعُوا فَلَا أُجِيبُ لَكُمْ وَ تَسْأَلُونِي فَلَا أُعْطِيكُمْ وَ تَسْتَصْرِؤُنِي فَلَا أَلْضُرُّكُمْ فَمَا زَادَ عَلَيْهِمْ حَتَّى تَزُولَ)) [ترغيب]

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے چہرہ انور پر ایک خاص اثر دیکھ کر محسوس کیا کہ کوئی اہم بات پیش آئی ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے کسی سے کوئی بات نہیں کی اور وضو فرما کر مسجد میں تشریف لے گئے میں مسجد کی دیوار سے لگ گئی تاکہ کوئی ارشاد ہو اس کو سنوں۔ حضور اقدس ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا ”لوگو! اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جملی باتوں کا حکم کرو اور بری باتوں سے منع کرو۔ مبادا وہ وقت آجائے کہ تم دُعا مانگو اور میں اس کو قبول نہ کروں اور تم مجھ سے سوال کرو اور میں اس کو پورا نہ کروں اور تم مجھ سے مدد چاہو اور میں تمہاری مدد نہ کروں حضور اقدس ﷺ نے صرف یہ کلمات ارشاد فرمائے اور منبر سے اتر گئے۔“

⑤ (عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا عَظَمْتَ أُمَّتِي الدُّنْيَا نُزِعَتْ مِنْهَا هَيْبَةُ الْإِسْلَامِ وَ إِذَا تَرَكَتِ الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوفِ وَ التَّهْيَى عَنِ الْمُنْكَرِ حُرِمَتْ بَرَكَاتُ الْوَحْيِ وَ إِذَا تَسَابَّتْ أُمَّتِي سَقَطَتْ مِنْ عَيْنِ اللَّهِ))

[كذافی الدر عن الحكيم الترمذی]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب میری امت دنیا کو قابل وقعت و عظمت سمجھے لگے گی تو اسلام کی وقعت و اہمیت ان کے قلوب سے نکل جائے گی اور جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہو جائے گی اور جب آپس میں ایک دوسرے کو سب و شتم کرنا اختیار کرے گی تو اللہ جل شانہ کی نگاہ سے گر جائے گی۔“

احادیث مذکورہ پر غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو چھوڑنا خدا وحدہ لا شریک کی لعنت اور غضب کا باعث ہے اور جب امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کام کو چھوڑ دے گی تو سخت مصائب و آلام اور زلت و خواری میں مبتلا کر دی جائے گی اور ہر قسم کی غیبی نصرت و مدد سے محروم ہو جائے گی اور یہ سب کچھ اس لیے ہو گا کہ اس نے اپنے فرض منصبی کو نہیں پہچانا اور جس کام کی انجام دہی کی ذمہ داری تھی اس سے غافل رہی۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ایمان کا خاصہ اور جزو لازمی قرار دیا اور اس کو چھوڑنے کو ایمان کے ضعف اور اضمحلال کی علامت بتلایا۔ حدیث ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ میں ہے:

(مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُتَكَرِّرًا فَلْيَعِزَّهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَ ذَلِكَ أضعفُ الْإِيمَانِ))

”یعنی تم میں سے جب کوئی شخص برائی کو دیکھے تو چاہیے کہ اپنے ہاتھوں سے کام لے کر اس کو دور کرے اور اگر اس کی طاقت نہ پائے تو زبان سے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ پائے تو دل سے اور یہ آخری صورت ایمان کی بڑی کمزوری کا درجہ ہے۔“

پس جس طرح آخری درجہ اضعف ایمان کا ہوا اسی طرح پہلا درجہ کمال دعوت اور

کمال ایمان کا ہوا۔ اس سے بھی واضح تر حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے:

(مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللَّهُ قَبْلِي إِلَّا كَانَ لَهُ فِي أُمَّتِهِ حَوَارِثُونَ وَ أَصْحَابٌ يَأْخُذُونَ بِسُنَّتِهِ وَ يَقْتَدُونَ بِأَمْرِهِ ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوفٌ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ وَ يَفْعَلُونَ مَا لَا يُؤْمَرُونَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَ مَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَ مَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَ لَيْسَ وَرَاءَ ذَلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حَبَّةٌ

[خزّذلی] (([مسلم]

”یعنی سنت الہی یہ ہے کہ ہر نبی اپنے ساتھیوں اور تربیت یافتہ یاروں کی ایک جماعت چھوڑ جاتا ہے۔ یہ جماعت نبی کی سنت کو قائم رکھتی ہے اور ٹھیک ٹھیک اس کی پیروی کرتی ہے یعنی شریعت الہی کو جس حال اور جس شکل میں نبی چھوڑ گیا ہے اس کو بعینہ محفوظ رکھتے ہیں اور اس میں ذرا بھی فرق آنے نہیں دیتے لیکن اس کے بعد شرفتن کا دور آتا ہے اور ایسے لوگ پیدا ہو جاتے ہیں جو طریقہ نبی سے ہٹ جاتے ہیں۔ ان کا فعل ان کے دعوے کے خلاف ہوتا ہے اور ان کے کام ایسے ہوتے ہیں جن کے لیے شریعت نے حکم نہیں دیا۔ سو ایسے لوگوں کے خلاف جس شخص نے قیام حق و سنت کی راہ میں اپنے ہاتھ سے کام لیا وہ مؤمن ہے اور جو ایسا نہ کر سکا مگر زبان سے کام لیا۔ وہ بھی مؤمن ہے اور جس سے یہ بھی نہ ہو سکا اور دل کے اعتقاد اور نیت کے ثبات کو ان کے خلاف کام میں لایا وہ بھی مؤمن ہے لیکن اس آخری درجہ کے بعد ایمان کا کوئی درجہ نہیں اس پر ایمان کی سرحد ختم ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ اب رائی کے دانے برابر بھی ایمان نہیں ہو سکتا۔“

اس کام کی اہمیت اور ضرورت کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح ظاہر فرمایا ہے:

”اس میں کچھ شک نہیں کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر دین کا ایسا زبردست رکن ہے جس سے دین کی تمام چیزیں وابستہ ہیں۔ اس کو انجام دینے کے لیے حق تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام صلی اللہ علیہم وسلم کو مبعوث فرمایا اگر خدا نخواستہ اس کو بالائے طاق رکھ دیا جائے اور اس کے علم و عمل کو ترک کر دیا جائے تو العباد باللہ نبوت کا بیکار ہونا لازم آئے گا۔ دیانت جو شرافت انسانی کا خاصہ ہے، مضلل اور افسردہ ہو جائے گی۔ کاہلی اور سستی عام ہو جائے گی، گمراہی اور ضلالت کی شاہراہیں کھل جائیں گی، جمالت عالمگیر ہو جائے گی۔ تمام کاموں میں خرابی آجائے گی، آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی، آبادیاں خراب ہو جائیں گی مخلوق تباہ و برباد ہو جائے گی اور اس تباہی اور بربادی کی اس وقت خبر ہو گی جب روز محشر خدائے بالا و برتر کے سامنے پیشی اور باز پرس ہو گی۔“

افسوس صد افسوس! جو خطرہ تھا وہ سامنے آگیا، جو کھٹکا تھا آنکھوں نے دیکھ لیا ﴿كَانَ أَمْرُ

اللَّهِ قَدْرًا مَقْدُورًا فَإِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾

اس سرسبز ستون کے علم و عمل کے نشانات مٹ چکے، اس کی حقیقت و رسوم کی برکتیں نیست و نابود ہو گئیں، لوگوں کی تحقیر و تذلیل کا سکہ قلوب پر جم گیا۔ خدائے پاک کے ساتھ کا

قلبی تعلق مٹ چکا اور نفسانی خواہشات کے اتباع میں جانوروں کی طرح بے باک ہو گئے، روئے زمین پر ایسے صادق مومن کا ملنا دشوار و کمیاب ہی نہیں بلکہ معدوم ہو گیا جو اظہارِ حق کی وجہ سے کسی کی ملامت گوارا کرے۔

اگر کوئی مرد مومن اس خباہی اور بربادی کے ازالہ میں سعی کرے اور اس سنت کے احیاء میں کوشش کرے اور اس مبارک بوجھ کو لے کر کھڑا ہو اور آستینیں چڑھا کر اس سنت کے زندہ کرنے کے لیے میدان میں آئے تو یقیناً وہ شخص تمام مخلوق میں ایک ممتاز اور نمایاں ہستی کا مالک ہو گا۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے جن الفاظ میں اس کام کی اہمیت اور ضرورت کو بیان کیا ہے وہ ہماری تنبیہ اور بیداری کے لیے کافی ہیں۔

ہمارے اس قدر اہم فریضہ سے غافل ہونے کی چند وجوہ معلوم ہوتی ہیں :

پہلی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اس فریضہ کو علماء کے ساتھ خاص کر لیا حالانکہ خطاباتِ قرآنی عام ہیں جو امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فرد کو شامل ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خیر القرون کی زندگی اس کے لیے شاہدِ عدل ہے۔

فریضہ تبلیغ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو علماء کے ساتھ خاص کر لینا اور پھر ان کے بھروسہ پر اس اہم کام کو چھوڑ دینا ہماری سخت نادانی ہے۔ علماء کا کام راہِ حق جتانا اور سیدھا راستہ دکھانا ہے، پھر اس کے موافق عمل کرانا اور مخلوقِ خدا کو اس پر چلانا یہ دوسرے لوگوں کا کام ہے۔ اس کی جانب اس حدیث شریف میں تنبیہ کی گئی ہے :

«أَلَا كَلُّكُمْ رَاعٍ وَ كَلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَالْأَمِيرُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ عَلَيْهِمْ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُمْ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُمْ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ بَيْتِهَا وَوَلَدِهِ وَ هِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كَلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ»

”بیگ تم سب کے سب نگہبان ہو اور تم سب اپنے رعیت کے بارے میں سوال کیے جاؤ گے پس بادشاہ لوگوں پر نگہبان ہے وہ اپنی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور مرد اپنے گھر والوں پر نگہبان ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اولاد

پر نگہبان ہے وہ ان کے بارے میں سوال کی جائے گی اور غلام اپنے مالک کے مال پر نگہبان ہے اس سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا پس تم سب نگہبان ہو اور تم سب سے اپنی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔“

اور اسی کو واضح طور پر اس طرح بیان فرمایا ہے :

«قَالَ الَّذِينَ اتَّصِيحَةُ فَلْنَا لِمَنْ قَالَ لِلَّهِ وَلِوَسْؤَلِهِ وَلَا لِمَا لِلْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ» (مسلم)

”حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین سراسر نصیحت ہے (صحابہ رضی اللہ عنہم نے) عرض کیا کس کے لیے۔ فرمایا اللہ کے لیے اور رسول کے لیے اور مسلمانوں کے مقتداؤں کے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے۔“

اگر بفرض محال مان بھی لیا جائے کہ یہ علماء کا کام ہے تب بھی اس وقت فضاءِ زمانہ کا متقاضی یہی ہے کہ ہر شخص اس کام میں لگ جائے اور اعلاءِ کلمۃ اللہ اور حفاظتِ دینِ تینوں کے لیے کمر بستہ ہو جائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ اگر ہم خود اپنے ایمان میں پختہ ہیں تو دوسروں کی گمراہی ہمارے لیے نقصان دہ نہیں جیسا کہ اس آیت شریفہ کا مفہوم ہے :

«يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ»

[المائدہ: ۵ : ۱۰۵]

”اے ایمان والو! اپنی فکر کرو جب تم راہ پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ ہے اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں۔“ (بیان القرآن)

لیکن درحقیقت آیت سے یہ مقصود نہیں جو ظاہر میں سمجھا جا رہا ہے اس لیے کہ یہ معنی حکمتِ خداوندیہ اور تعلیماتِ شرعیہ کے خلاف ہیں۔ شریعتِ اسلام نے اجتماعی زندگی اور اجتماعی اصلاح اور اجتماعی ترقی کو اصل بتلایا ہے اور امت مسلمہ کو بمنزلہ ایک جسم کے قرار دیا ہے کہ اگر ایک عضو میں درد ہو جائے تو تمام جسم بے چین ہو جاتا ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ بنی نوع انسان خواہ کتنی ہی ترقی کر جائے اور کمال کو پہنچ جائے اس میں ایسے لوگوں کا ہونا بھی ضروری ہے جو سیدھے راستے کو چھوڑ کر گمراہی میں مبتلا ہوں تو آیت میں مومنوں کے لیے تسلی ہے کہ جب تم ہدایت اور صراطِ مستقیم پر قائم ہو تو تم کو ان لوگوں سے مضرت کا اندیشہ نہیں جنہوں نے بھٹک کر سیدھا راستہ چھوڑ دیا۔

نیز اصل ہدایت یہ ہے کہ انسان شریعت محمدیہ ﷺ کو مع تمام احکام کے قبول کرے اور منجملہ احکام خداوندی کے ایک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ہے۔

ہمارے اس قول کی تائید حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے ہوتی ہے:

عَنْ ابْنِ بَكْرِ الصَّدِيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّاسَ انْكَرُوا تَقْرَأُ وَنَ هَذِهِ الْآيَةُ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَصُدُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ ((إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوْا الْمُنْكَرَ فَلَمْ يُعَيِّرُوهُ أَوْشَكَ أَنْ يَعْتَمَهُمُ اللَّهُ بِعِقَابِهِ))

”حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے لوگو! تم یہ آیت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَصُدُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ پیش کرتے ہو اور میں نے رسول خدا ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب لوگ خلاف شرع کسی چیز کو دیکھیں اور اس میں تغیر نہ کریں تو قریب ہے کہ حق تعالیٰ ان لوگوں کو اپنے عمومی عذاب میں مبتلا فرمادے۔“

علماء محققین نے بھی آیت کے یہی معنی لیے ہیں۔ امام نووی رضی اللہ عنہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

”علماء محققین کا صحیح مذہب اس آیت کے معنی میں یہ ہے کہ جب تم اس چیز کو ادا کرو جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے تو تمہارے غیر کی کوتاہی تمہیں مضرت نہ پہنچائے گی جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى﴾ اور جب ایسا ہے تو منجملہ ان اشیاء کے جن کا حکم دیا گیا۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے پس جب کسی شخص نے اس حکم کو پورا کر دیا اور مخاطب نے اس کی تعمیل نہ کی تو اب ناصح پر کوئی عتاب اور سرزنش نہیں اس لیے کہ جو کچھ اس کے ذمہ واجب تھا (اور وہ امر و نہی ہے) اس نے اس کو ادا کر دیا، دوسرے کا قبول کرنا اس کے ذمے نہیں۔ واللہ اعلم۔“

تیسری وجہ یہ ہے کہ عوام و خواص، عالم و جاہل ہر شخص اصلاح سے ناپوس ہو گیا اور انہیں یقین ہو گیا کہ اب مسلمانوں کی ترقی اور ان کا عروج ناممکن اور دشوار ہے۔ جب کسی شخص کے سامنے کوئی اصلاحی نظام پیش کیا جاتا ہے تو جواب یہی ملتا ہے کہ مسلمانوں کی ترقی اب کیسے ہو سکتی ہے جبکہ ان کے پاس نہ سلطنت و حکومت ہے، نہ مال و زر اور نہ سامان حرب اور نہ مرکزی حیثیت، نہ قوت بازو اور نہ باہمی اتفاق و اتحاد۔

بالخصوص دیندار طبقہ تو بزعم خود یہ طے کر چکا ہے کہ اب چودھویں صدی ہے، زمانہ رسالت کو بعد ہو چکا، اب اسلام اور مسلمانوں کا انحطاط ایک لازمی شے ہے پس اس کیلئے جدوجہد کرنا عبث اور بیکار ہے۔ یہ صحیح ہے کہ جس قدر مشکوکہ نبوت سے بعد ہوتا جائے گا حقیقی اسلام کی شعاعیں ماند پڑتی جائیں گی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بقاء شریعت اور حفاظت دین محمدی ﷺ کیلئے جدوجہد اور سعی نہ کی جائے۔ اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا اور ہمارے اسلاف بھی خدا نخواستہ یہی سمجھ لیتے تو آج ہم تک اس دین کے پہنچنے کی کوئی سبیل نہ تھی البتہ جب کہ زمانہ ناموافق ہے تو رفتار زمانہ کو دیکھتے ہوئے زیادہ ہمت اور استقلال کے ساتھ اس کام کو لے کر کھڑا ہونے کی ضرورت ہے۔

تجرب ہے کہ جو مذہب سراسر عمل اور جدوجہد پر مبنی تھا آج اس کے پیرو عمل سے یکسر خالی ہیں، حالانکہ قرآن مجید اور حدیث شریف میں جگہ جگہ عمل اور جد کا سبق پڑھایا اور بتلایا ہے کہ ایک عبادت گزار تمام رات نفل پڑھنے والا، دن بھر روزہ رکھنے والا، اللہ اللہ کرنے والا ہرگز اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جو دوسروں کی اصلاح اور ہدایت کی فکر میں بے چین ہو۔

قرآن کریم نے جگہ جگہ جمادنی سبیل اللہ کی تاکید کی اور مجاہد کی فضیلت اور برتری کو نمایاں کیا:

﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَّ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٥﴾ دَرَجَاتٍ مِنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٦﴾﴾

[النساء: ۳، ۹۵، ۹۶]

”برابر نہیں وہ مسلمان جو بلا کسی عذر کے گھر میں بیٹھے رہیں اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کریں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا درجہ بہت زیادہ بلند کیا ہے جو اپنے مال و جان سے جہاد کرتے ہیں۔ یہ نسبت گھر بیٹھے والوں کے۔ اور سب سے اللہ تعالیٰ نے اچھے گھر کا وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو مقابلہ گھر میں بیٹھے والوں کے اجر عظیم دیا ہے یعنی بہت سے درجے جو

خدا کی طرف سے ملیں گے اور مغفرت اور رحمت اور اللہ بڑی مغفرت رحمت والے ہیں۔“
اگرچہ آیت میں جہاد سے مراد کفار کے مقابلہ میں سینہ سپر ہونا ہے تاکہ اسلام کا بول بالا ہو اور کفر و شرک مغلوب و مقہور ہو لیکن اگر بد قسمتی سے آج ہم اس سعادت عظمیٰ سے محروم ہیں تو اس مقصد کے لیے جس قدر جدوجہد ہماری مقدرت اور استطاعت میں ہے اس میں تو ہرگز کوتاہی نہ کرنی چاہیے پھر ہماری یہی معمولی حرکت عمل اور جدوجہد ہمیں کشاں کشاں آگے بڑھائے گی ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ [العنکبوت ۲۹: ۶۹] یعنی جو لوگ ہمارے دین کے لیے کوشش کرتے ہیں ہم ان کے لیے اپنے راستے کھول دیتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ دین محمدی ﷺ کی بقا اور تحفظ کا حق تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے لیکن اس کے عروج و ترقی کے لیے ہمارا عمل اور سعی مطلوب ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے لیے جس قدر انتھک کوشش کی اسی قدر ثمرات بھی مشاہدہ کیے اور غیبی نصرت سے سرفراز ہوئے۔ ہم بھی ان کے نام لیوا ہیں اگر اب بھی ہم ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں اور اعلاء کلمۃ اللہ اور اشاعت اسلام کے لیے کمر بستہ ہو جائیں تو یقیناً ہم بھی نصرت خداوندی اور امداد غیبی سے سرفراز ہوں گے: ﴿إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يَنْصِبْ أَفْئِدَامَكُمْ﴾ [محمد ۲۷: ۷۰] یعنی اگر تم خدا کے دین کی مدد کے لیے کھڑے ہو جاؤ گے تو خدا تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جب ہم خود ان باتوں کے پابند نہیں اور اس منصب کے اہل نہیں تو دوسروں کو کس منہ سے نصیحت کریں لیکن یہ نفس کا صریح دھوکہ ہے جب ایک کام کرنے کا ہے اور حق تعالیٰ کی جانب سے ہم اس کے مامور ہیں تو پھر ہمیں اس میں پس و پیش کی گنجائش نہیں۔ ہمیں خدا کا حکم سمجھ کر کام شروع کر دینا چاہیے پھر انشاء اللہ یہی جدوجہد ہماری پختگی، استحکام اور استقامت کا باعث ہوگی اور اسی طرح کرتے کرتے ایک دن تقرب خداوندی کی سعادت نصیب ہو جائے گی۔ یہ ناممکن اور محال ہے کہ ہم حق تعالیٰ کے کام میں جدوجہد کریں اور وہ رحمن و رحیم ہماری طرف نظر کرم نہ فرمائے۔ میرے اس قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

﴿عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ لَا تَأْمُرُ بِالْمَعْرُوفِ حَتَّى نَعْمَلَ بِهِ كَلِمَةً وَلَا تَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ حَتَّى نَجْتَنِبَهُ كَلِمَةً فَقَالَ ﷺ بَلْ مَزُوا بِالْمَعْرُوفِ وَإِنْ لَمْ تَعْمَلُوا بِهِ كَلِمَةً وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَإِنْ لَمْ تَجْتَنِبُوهُ كَلِمَةً﴾

[رواه الطبرانی فی الصغیر الأوسط]

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم بھلائیوں کا حکم نہ کریں جب تک خود تمام پر عمل نہ کریں اور برائیوں سے منع نہ کریں جب تک خود تمام برائیوں سے نہ بچیں۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں بلکہ تم بھلی باتوں کا حکم کرو اگرچہ تم خود ان سب کے پابند نہ ہو اور برائیوں سے منع کرو اگرچہ تم خود ان سب سے نہ بچ رہے ہو۔“
پانچویں وجہ یہ ہے کہ ہم سمجھ رہے ہیں کہ جگہ جگہ مدارس دینیہ کا قائم ہونا، علماء کا وعظ و نصیحت کرنا، خانقاہوں کا آباد ہونا، مذہبی کتابوں کا تصنیف کرنا، رسالوں کا جاری ہونا، یہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے شعبے ہیں اور ان کے ذریعہ اس فریضہ کی ادائیگی ہو رہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان سب اداروں کا قیام اور بقا بہت ضروری ہے اور ان کی جانب اعتناء اہم امور سے ہے۔ اس لیے کہ دین کی جو کچھ تھوڑی بہت جھلک دکھائی دے رہی ہے وہ انہی اداروں کے مبارک آثار ہیں، لیکن پھر بھی اگر غور سے دیکھا جائے تو ہماری موجودہ ضرورت کیلئے یہ ادارے کافی نہیں اور ان پر اکتفا کرنا ہماری کھلی غلطی ہے اس لیے کہ ان اداروں سے ہم اس وقت منتفع ہو سکتے ہیں۔ جب ہم میں دین کا شوق اور طلب ہو اور مذہب کی وقعت اور عظمت ہو۔ اب سے پچاس سال پہلے ہم میں شوق و طلب موجود تھا اور ایمانی جھلک دکھائی دیتی تھی۔ اس لیے ان اداروں کا قیام ہمارے لیے کافی تھا۔ لیکن آج غیر اقوام کی انتھک کوششوں نے ہمارے اسلامی جذبات بالکل فنا کر دیئے اور طلب و رغبت کے بجائے آج ہم مذہب سے متنفر اور بیزار نظر آتے ہیں۔ ایسی حالت میں ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم مستقل کوئی تحریک ایسی شروع کریں جس سے عوام میں دین کے ساتھ تعلق اور شوق و رغبت پیدا ہو اور ان کے سوئے ہوئے جذبات بیدار ہوں، پھر ہم ان اداروں سے ان کی شان کے مطابق منتفع ہو سکتے ہیں۔ ورنہ اگر اسی طرح دین سے بے رغبتی اور بے اعتنائی بڑھتی گئی، تو ان اداروں سے انتفاع تو درکنار ان کا بقاء بھی دشوار نظر آتا ہے۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ جب ہم اس کام کو لے کر دوسروں کے پاس جاتے ہیں تو وہ بری طرح پیش آتے ہیں اور سختی سے جواب دیتے ہیں اور ہماری توہین و تذلیل کرتے ہیں، لیکن ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ کام انبیاء کرام علیہم السلام کی نیابت ہے اور ان مصائب اور مشقتوں میں مبتلا ہونا اس کام کا خاصہ ہے اور یہ سب مصائب و تکالیف بلکہ اس سے بھی زائد انبیاء کرام علیہم السلام نے اس راہ میں برداشت کیں۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شِعْبِ الْأَوَّلِينَ ۝ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ

يَسْتَهْزِئُونَ ۝﴾ [الحجر ۱۵: ۱۶]

”ہم بھیج چکے ہیں رسول تم سے پہلے اگلے لوگوں کے گردہوں میں اور ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا تھا مگر یہ اس کی ہنسی اڑاتے رہے۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: دعوت حق کی راہ میں جس قدر مجھ کو اذیت اور تکلیف میں مبتلا کیا گیا ہے کسی نبی اور رسول کو نہیں کیا گیا۔

پس جب سردارِ دو عالم اور ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مصائب اور مشقتوں کو تحمل اور بردباری کے ساتھ برداشت کیا تو ہم بھی ان کے پیرو ہیں اور انہی کا کام لے کر کھڑے ہوئے ہیں، ہمیں بھی ان مصائب سے پریشان نہ ہونا چاہیے اور تحمل اور بردباری کے ساتھ ان کو برداشت کرنا چاہیے۔

مناستق سے یہ بات بخوبی معلوم ہو گئی کہ ہمارا اصل مرض روحِ اسلامی اور حقیقتِ ایمانی کا ضعف اور اضمحلال ہے۔ ہمارے اسلامی جذبات فنا ہو چکے اور ہماری ایمانی قوت زائل ہو چکی اور جب اصل شے میں انحطاط آ گیا تو اس کے ساتھ جتنی خوبیاں اور بھلائیاں وابستہ تھیں ان کا انحطاط پذیر ہونا بھی لازمی اور ضروری تھا اور اس ضعف و انحطاط کا سبب اس اصل شے کا چھوڑ دینا ہے جس پر تمام دین کا بقاء اور دار و مدار ہے اور وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کے افراد خوبیوں اور کمالات سے آراستہ نہ ہوں۔

پس ہمارا علاج صرف یہ ہے کہ ہم فریضہ تبلیغ کو ایسی طرح لے کر کھڑے ہوں جس سے ہم میں قوتِ ایمانی بڑھے اور اسلامی جذبات ابھریں، ہم خدا اور رسول کو پچپائیں اور احکامِ خداوندی کے سامنے سرگوں ہوں اور اس کے لیے ہمیں وہی طریقہ اختیار کرنا ہو گا جو سید الانبیاء والمرسلین نے مشرکین عرب کی اصلاح کے لیے اختیار فرمایا۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الاحزاب ۲۱: ۲۲]

”بے شک تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اچھی پیروی ہے۔“

اسی کی جانب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اشارہ فرماتے ہیں۔ لَنْ يُصْلِحَ اجْرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا مَا أَصْلَحَ أَوْلَهَا یعنی اس امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر میں آنے والے لوگوں کی ہرگز اصلاح نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس نے ابتداء میں اصلاح کی ہے۔

جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعوت حق لے کر کھڑے ہوئے آپ تنہا تھے، کوئی آپ کا ساتھی اور ہم خیال نہ تھا، دنیوی کوئی طاقت آپ کو حاصل نہ تھی۔ آپ کی قوم میں خود سری اور خود رائی انتہا درجہ کو پہنچی ہوئی تھی، ان میں سے کوئی حق بات سننے اور اطاعت کرنے پر آمادہ نہ تھا۔ بالخصوص جس کلمہ حق کی آپ تبلیغ کرنے کھڑے ہوئے تھے اس سے تمام قوم کے قلوب متنفر اور بیزار تھے، ان حالات میں کونسی طاقت تھی جس سے ایک مفلس و نادار، پیکار و مددگار انسان نے تمام قوم کو اپنی طرف کھینچا۔ اب غور کیجئے کہ آخر وہ کیا چیز تھی جس کی طرف آپ نے مخلوق کو بلایا، اور جس شخص نے اس چیز کو پالیا وہ پھر ہمیشہ کے لیے آپ کا ہو رہا۔ دنیا جانتی ہے کہ وہ صرف ایک ہی سبق تھا جو آپ کا مطمح نظر اور مقصود اصلی تھا جس کو آپ نے لوگوں کے سامنے پیش کیا۔

﴿إِلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۚ وَلَا نُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا ۚ وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ

ذُنُونِ

اللَّهِ﴾ [آل عمران ۳: ۶۳]

”بجز اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی دوسرے کو رب نہ قرار دے خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر۔“

اللہ وحدہ لا شریک لہ کے سوا ہر شے کی عبادت اور اطاعت اور فرمانبرداری کی ممانعت کی اور اغیار کے تمام بندھنوں اور علاقوں کو توڑ کر ایک نظام عمل مقرر کر دیا اور بتلا دیا کہ اس سے ہٹ کر کسی دوسری طرف رخ نہ کرنا۔

﴿ اَتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ﴾

[الاعراف: ۷۷]

”تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے اور خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کا اتباع مت کرو۔“

یہی وہ اپنی اصل تعلیم تھی جس کی اشاعت کا آپ کو حکم دیا گیا۔

﴿ أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ

أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۵۹﴾

[النحل: ۱۶]

”اے محمد ﷺ! بلاؤ لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور نیک نصیحت سے اور ان کے ساتھ بحث کرو جس طرح بہتر ہو۔ بیشک تمہارا رب ہی خوب جانتا ہے اس شخص کو جو گمراہ ہو اس کی راہ سے وہی خوب جانتا ہے راہ طے والوں کو۔“

اور یہی وہ شاہراہ تھی جو آپ کے لیے اور آپ کے ہر پیرو کے لیے مقرر کی گئی۔

﴿ قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ

وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۰۸﴾ [يوسف: ۱۰۸]

”کہہ دو یہ ہے میرا راستہ، بلاتا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر، میں اور جتنے میرے تابع ہیں وہ بھی اور اللہ پاک ہے اور میں شریک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔“

﴿ وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ

الْمُسْلِمِينَ ﴿۳۳﴾ [حم سجدہ: ۳۳]

”اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو خدا کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔“

پس اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی مخلوق کو بلانا، بھٹکے ہوؤں کو راہ حق دکھلانا۔ گمراہوں کو ہدایت کا راستہ دکھلانا نبی کریم ﷺ کا وظیفہ حیات اور آپ کا مقصد اصلی تھا اور اسی مقصد کی

نشوونما اور آبیاری کے لیے ہزاروں نبی اور رسول بھیجے گئے۔

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ۝

﴿ [الانبیاء: ۱۱۰: ۲۵]

”اور ہم نے نہیں بھیجا تم سے پہلے کوئی رسول مگر اس کی جانب یہی وحی بھیجتے تھے کہ کوئی معبود نہیں بجز میرے، پس میری بندگی کرو۔“

نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے مقدس لمحات زندگی پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ سب کا مقصد اور نصب العین صرف ایک ہے، اور وہ اللہ رب العالمین وحدہ لا شریک لہ کی ذات و صفات کا یقین کرنا یہی ایمان اور اسلام کا مفہوم ہے اور اسی لیے انسان کو دنیا میں بھیجا گیا۔ ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ [الذاریات: ۵۱: ۵۶] یعنی ہم نے جنات اور انسان کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ بندہ بن کر زندگی بسر کریں۔

اب جب کہ مقصد زندگی واضح ہو گیا اور اصل مرض اور اس کے معالجہ کی نوعیت معلوم ہو گئی تو طریق علاج کی تجویز میں ہمیں زیادہ دشواری پیش نہ آئے گی اور اس نظریے کے ماتحت جو بھی علاج کا طریقہ اختیار کیا جائے گا انشاء اللہ نافع اور سود مند ہو گا۔ ہم نے اپنی نارسا فہم کے مطابق مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے ایک نظام عمل تجویز کیا ہے جس کو فی الحقیقت اسلامی زندگی یا اسلاف کی زندگی کا نمونہ کہا جاسکتا ہے جس کا اجمالی نقشہ آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

سب سے اہم اور پہلی چیز یہ ہے کہ ہر مسلمان تمام اغراض و مقاصد دنیوی سے قطع نظر کر کے اعلیٰ کلمۃ اللہ اور اشاعت اسلام اور احکام خداوندی کے رواج اور سرسبزی کو اپنا نصب العین بنا دے اور اس بات کا پختہ عہد کرے کہ حق تعالیٰ کے ہر حکم کو مانوں گا اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا اور کبھی خداوند کریم کی نافرمانی نہ کروں گا اور اس نصب العین کی تکمیل کیلئے اس دستور العمل پر کاربند ہو۔

① کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ کا صحت الفاظ کے ساتھ یاد کرنا اور اس کے معنی اور

اللہ وحدہ لا شریک لہ کے سوا ہر شے کی عبادت اور اطاعت اور فرمانبرداری کی ممانعت کی اور اختیار کے تمام بندھنوں اور علاقوں کو توڑ کر ایک نظام عمل مقرر کر دیا اور بتلا دیا کہ اس سے ہٹ کر کسی دوسری طرف تڑخ نہ کرنا۔

﴿ اَتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ﴾

[الاعراف: ۷۰]

”تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے اور خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کا اتباع مت کرو۔“

یہی وہ اپنی اصل تعلیم تھی جس کی اشاعت کا آپ کو حکم دیا گیا۔

﴿ اذْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۰۸﴾ ﴾

[النحل: ۱۲]

”اے محمد ﷺ! بلاؤ لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور نیک نصیحت سے اور ان کے ساتھ بحث کرو جس طرح بہتر ہو۔ بیشک تمہارا رب ہی خوب جانتا ہے اس شخص کو جو گمراہ ہو اس کی راہ سے وہی خوب جانتا ہے راہ چلنے والوں کو۔“

اور یہی وہ شاہراہ تھی جو آپ کے لیے اور آپ کے ہر پیرو کے لیے مقرر کی گئی۔

﴿ قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۰۸﴾ ﴾ [یوسف: ۱۲]

”کہہ دو یہ ہے میرا راستہ، بلاتا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر، میں اور جتنے میرے تابع ہیں وہ بھی اور اللہ پاک ہے اور میں شریک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔“

﴿ وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۳۱﴾ ﴾ [حم سجدہ: ۳۱]

”اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو خدا کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔“

پس اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی مخلوق کو بلانا، پھیلنے ہوؤں کو راہ حق دکھانا۔ گمراہوں کو ہدایت کا راستہ دکھانا نبی کریم ﷺ کا وظیفہ حیات اور آپ کا مقصد اصلی تھا اور اسی مقصد کی

نشوونما اور آبیاری کے لیے ہزاروں نبی اور رسول بھیجے گئے۔

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴿۲۵﴾ ﴾

[الانبیاء: ۲۵]

”اور ہم نے نہیں بھیجا تم سے پہلے کوئی رسول مگر اس کی جانب یہی وحی بھیجتے تھے کہ کوئی معبود نہیں بجز میرے، پس میری بندگی کرو۔“

نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے مقدس لمحات زندگی پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ سب کا مقصد اور نصب العین صرف ایک ہے، اور وہ اللہ رب العالمین وحدہ لا شریک لہ کی ذات و صفات کا یقین کرنا یہی ایمان اور اسلام کا مفہوم ہے اور اسی لیے انسان کو دنیا میں بھیجا گیا۔ ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿۲۵﴾ ﴾ [الذاریات: ۵۱، ۵۲] یعنی ہم نے جنات اور انسان کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ بندہ بن کر زندگی بسر کریں۔

اب جب کہ مقصد زندگی واضح ہو گیا اور اصل مرض اور اس کے معالجہ کی نوعیت معلوم ہو گئی تو طریق علاج کی تجویز میں ہمیں زیادہ دشواری پیش نہ آئے گی اور اس نظریے کے ماتحت جو بھی علاج کا طریقہ اختیار کیا جائے گا انشاء اللہ نافع اور سود مند ہو گا۔

ہم نے اپنی نارسا فہم کے مطابق مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے ایک نظام عمل تجویز کیا ہے جس کو فی الحقیقت اسلامی زندگی یا اسلاف کی زندگی کا نمونہ کہا جا سکتا ہے جس کا اجمالی نقشہ آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

سب سے اہم اور پہلی چیز یہ ہے کہ ہر مسلمان تمام اغراض و مقاصد دنیوی سے قطع نظر کر کے اعلاء کلمۃ اللہ اور اشاعت اسلام اور احکام خداوندی کے رواج اور سرسبزی کو اپنا نصب العین بنا دے اور اس بات کا پختہ عہد کرے کہ حق تعالیٰ کے ہر حکم کو مانوں گا اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا اور کبھی خداوند کریم کی نافرمانی نہ کروں گا اور اس نصب العین کی تکمیل کیلئے اس دستور العمل پر کاربند ہو۔

① کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ کا صحت الفاظ کے ساتھ یاد کرنا اور اس کے معنی اور

مفہوم کو سمجھنا اور ذہن نشین کرنے کی کوشش کرنا اور اپنی پوری زندگی کو اس کے موافق بنانے کی فکر کرنا۔

② نماز کا پابند ہونا، اس کے آداب و شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے خشوع اور خضوع کے ساتھ ادا کرنا اور ہر رکن میں خداوند کریم کی عظمت و بزرگی اور اپنی بندگی اور بیچارگی کا دھیان کرنا۔ غرض اس کوشش میں لگے رہنا کہ نماز اس طرح ادا ہو جو اس رب العزت کی بارگاہ کی حاضری کے شایان شان ہو۔ ایسی نماز کی کوشش کرتا رہے اور حق تعالیٰ سے اس کی توفیق طلب کرے۔ اگر نماز کا طریقہ معلوم نہ ہو تو اس کو سیکھے اور نماز میں پڑھنے کی تمام چیزوں کو یاد کرے۔

③ قرآن کریم کے ساتھ وابستگی اور دل بستگی پیدا کرنا، جس کے دو طریقے ہیں:

(ا) کچھ وقت روزانہ ادب و احترام کے ساتھ معنی و مفہوم کا دھیان کرتے ہوئے تلاوت کرنا۔ اگر عالم نہ ہو اور معنی و مفہوم کو سمجھنے سے قاصر ہو تب بھی بغیر معنی سمجھے کلام ربانی کی تلاوت کرے اور سمجھے کہ میری فلاح و بہبود اسی میں مضمحل ہے۔ محض الفاظ کا پڑھنا بھی سعادت عظمیٰ ہے اور موجب خیر و برکت ہے اور اگر الفاظ بھی نہیں پڑھ سکتا تو تھوڑا وقت روزانہ قرآن مجید کی تعلیم میں صرف کرنا۔

(ب) اپنے بچوں اور اپنے محلہ اور گاؤں کے لڑکوں اور لڑکیوں کو قرآن مجید اور مذہبی تعلیم کی فکر کرنا اور ہر کام پر اس کو مقدم رکھنا۔

④ کچھ وقت یاد الہی اور ذکر و فکر میں گزارنا۔ پڑھنے کے لیے کوئی چیز کسی شیخ طریقت، متبع سنت سے دریافت کرے ورنہ کلمہ سوم سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ اور رُؤُودِ وِاسْتِغْفَارِ کی تسبیح صبح اور شام معنی کا دھیان کرتے ہوئے جی لگا کر اطمینان قلب کے ساتھ پڑھے۔ حدیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

⑤ ہر مسلمان کو اپنا بھائی سمجھنا، اس کے ساتھ ہمدردی اور نمکساری کا برتاؤ کرنا، صفت اسلام کی وجہ سے اس کا ادب و احترام کرنا، ایسی باتوں سے بچنا جو کسی مسلمان بھائی کی

تکلیف و اذیت کا باعث ہوں۔

ان باتوں کا خود بھی پابند بنے اور کوشش کرے کہ ہر مسلمان ان کا پابند بن جائے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ خود بھی اپنا کچھ وقت دین کی خدمت کے لیے فارغ کرے اور دوسروں کو بھی ترغیب دے کر دین کی خدمت اور اشاعت اسلام کے لیے آمادہ کرے۔

جس دین کی اشاعت کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام نے مشقتیں برداشت کیں، طرح طرح کے مضائب میں مبتلا ہوئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ہمارے اسلاف نے اپنی عمروں کو اس میں صرف کیا اور اس کی خاطر راہِ خدا میں اپنی جانوں کو قربان کیا۔ اس دین کی ترویج اور بقاء کے لیے تھوڑا وقت نہ نکالنا بڑی بدنہی اور خسران ہے اور یہی وہ اہم فریضہ ہے جس کو چھوڑ دینے کی وجہ سے آج ہم تباہ و برباد ہو رہے ہیں۔

پہلے مسلمان ہونے کا مفہوم یہ سمجھا جاتا تھا کہ اپنا جان و مال، عزت و آبرو، اشاعت اسلام اور اعلاء کلمۃ اللہ کی راہ میں صرف کرے اور جو شخص اس میں کوتاہی کرتا تھا وہ بڑا نادان سمجھا جاتا تھا۔ لیکن افسوس کہ آج ہم مسلمان کہلاتے ہیں اور دین کی باتوں کو اپنی آنکھوں سے مٹا ہوا دیکھ رہے ہیں پھر بھی اس دین کی ترویج اور بقا کے لیے کوشش کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ غرض اعلاء کلمۃ اللہ اور اشاعت دین متین جو مسلمان کا مقصد زندگی اور اصلی کام تھا اور جس کے ساتھ ہماری دونوں جہان کی فلاح و ترقی وابستہ تھی اور جس کو چھوڑ کر آج ہم ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ اب پھر ہمیں اپنے اصلی مقصد کو اختیار کرنا چاہیے اور اس کام کو اپنا جزو زندگی اور حقیقی مشغلہ بنانا چاہیے تاکہ پھر رحمت خداوندی جوش میں آئے اور ہمیں دنیا اور آخرت کی سرخ روئی اور شادابی نصیب ہو۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اپنا تمام کاروبار چھوڑ کر بالکل اس کام میں لگ جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ جیسے اور دنیوی ضروریات انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہیں اور ان کو انجام دیا جاتا ہے اس کام کو بھی ضروری اور اہم سمجھ کر اس کے واسطے وقت نکالا جائے جب چند آدمی اس مقصد کیلئے تیار ہو جائیں تو ہفتہ میں چند گھنٹے اپنے محلے، اور مہینہ میں تین دن قرب و جوار کے مواضع میں اور سال میں ایک چلہ دور کے مواضع میں اس کام کو کریں اور کوشش کریں کہ ہر مسلمان امیر ہو یا

غریب، تاجر ہو یا ملازم، زمیندار ہو یا کاشتکار، عالم یا جاہل، اس کام میں شریک ہو جائے اور ان امور کا پابند بن جائے۔

کام کرنے کا طریقہ

کم از کم دس آدمیوں کی جماعت تبلیغ کیلئے نکلے۔ اول اپنے میں سے ایک شخص امیر بنادے اور پھر سب مسجد میں جمع ہوں اور وضو کر کے دو رکعت نفل ادا کریں (شرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو) بعد نماز مل کر حق تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کریں اور نصرت و کامیابی اور تائید خداوندی اور توفیق الہی کو طلب کریں اور اپنے ثبات اور استقلال کی دعا مانگیں۔ دعا کے بعد سکون و وقار کے ساتھ آہستہ آہستہ حق تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے روانہ ہوں اور فضول بات نہ کریں۔ جب اس جگہ پہنچیں جہاں تبلیغ کرنی ہے تو پھر سب مل کر حق تعالیٰ سے دعا مانگیں اور تمام محلہ یا گاؤں میں گشت کر کے لوگوں کو جمع کریں اول انکو نماز پڑھوائیں اور پھر ان امور کی پابندی کا عہد لیں اور اس طریقہ پر کام کرنے کیلئے آمادہ کریں اور ان لوگوں کے ہمراہ گھروں کے دروازوں پر جا کر عورتوں سے بھی نماز پڑھوائیں اور انکی پابندی کی تاکید کریں۔

جو لوگ اس کام کو کرنے کیلئے تیار ہو جائیں ان کی ایک جماعت بنا دی جائے اور ان میں سے ایک شخص کو ان کا امیر مقرر کر دیا جائے اور اپنی نگرانی میں ان سے کام شروع کرا دیا جائے اور پھر انکے کام کی نگرانی کی جائے۔ ہر تبلیغ کرنے والے کو چاہیے کہ اپنے امیر کی اطاعت کرے اور امیر کو چاہیے کہ اپنے ساتھیوں کی خدمت گذاری اور راحت رسانی، بہت افزائی اور ہمدردی میں کمی نہ کرے، اور قابل مشورہ باتوں میں سب سے مشورہ لے کر اسکے موافق عمل کرے۔

تبلیغ کے آداب

یہ کام حق تعالیٰ کی ایک اہم عبادت اور سعادت عظمیٰ ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی نیابت ہے کام جس قدر بڑا ہوتا ہے اسی قدر آداب کو چاہتا ہے۔ اس کام سے مقصد دو سروں کی ہدایت نہیں بلکہ خود اپنی اصلاح اور عبدیت کا اظہار اور حکم خداوندی کی بجا آوری اور حق تعالیٰ کی رضا جوئی ہے پس چاہیے کہ امور مندرجہ کو اچھی طرح ذہن نشین کرے اور ان کی پابندی کرے۔

① اپنا تمام خرچ کھانے پینے، کرایہ وغیرہ کا حتی الوسع خود برداشت کرے اور اگر گنجائش اور وسعت

ہو تو اپنے نادار ساتھیوں پر بھی خرچ کرے۔

② اپنے ساتھیوں اور اس مقدس کام کے کرنے والوں کی خدمت گذاری اور بہت افزائی کو اپنی سعادت سمجھے اور ان کے ادب و احترام میں کمی نہ کرے۔

③ عام مسلمانوں کے ساتھ نہایت تواضع اور انکساری کا برتاؤ رکھے۔ بات کرنے میں نرم لہجہ اور خوشامد کا پہلو اختیار کرے۔ کسی مسلمان کو حقارت اور نفرت کی نظر سے نہ دیکھے۔ بالخصوص علماء دین کی عزت و عظمت میں کوتاہی نہ کرے۔ جس طرح ہم پر قرآن و حدیث کی عزت و عظمت، ادب و احترام واجب اور ضروری ہے اسی طرح ان مقدس ہستیوں کی عزت و عظمت، ادب و احترام بھی ضروری ہے جن کو خدا تعالیٰ نے اپنی اس نعمت عظمیٰ سے سرفراز فرمایا۔ علماء حق کی توہین دین کی توہین کے مترادف ہے، جو خدا کے غیظ و غضب کا موجب ہے۔

④ فرصت کے خالی وقتوں کو بجائے جھوٹ، غیبت، لڑائی، فساد، کھیل تماشے کے، مذہبی کتابوں کے پڑھنے اور مذہب کے پابند لوگوں کے پاس بیٹھنے میں گزارے جس سے خدا اور رسول ﷺ کی باتیں معلوم ہوں، خصوصاً ایام تبلیغ میں فضول باتوں اور فضول کاموں سے بچے اور اپنے فارغ اوقات کو یاد الہی اور ذکر و فکر اور دُرود و استغفار اور تعلیم و تعلم میں گزارے۔

⑤ جائز طریقوں سے حلال روزی حاصل کرے اور کفایت شعاری کے ساتھ اس کو خرچ کرے اور اپنے اہل و عیال اور دیگر اقرباء کے شرعی حقوق کو ادا کرے۔

⑥ کسی نزاعی مسئلہ اور فردعی بات کو نہ چھیڑے بلکہ صرف اصل توحید کی طرف دعوت دے اور ارکان اسلام کی تبلیغ کرے۔

⑦ اپنے تمام افعال و اقوال کو خلوص نیت کے ساتھ مزین اور آراستہ کرے کہ اخلاص کے ساتھ تھوڑا عمل بھی موجب خیر و برکت اور باعث ثمرات حسنہ ہوتا ہے اور بغیر اخلاص کے نہ دنیا ہی میں کوئی ثمرہ نکلتا ہے نہ آخرت میں اجر و ثواب ملتا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب نبی کریم ﷺ نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو انہوں نے درخواست کی کہ مجھے نصیحت کیجئے۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ دین کے کاموں میں اخلاص کا اہتمام رکھنا کہ اخلاص کے ساتھ (تھوڑا) عمل بھی کافی ہے۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ ”حق تعالیٰ شانہ اعمال میں سے صرف اسی عمل کو قبول فرماتے ہیں جو خالص انہیں کے لیے کیا گیا ہو۔“ دوسری جگہ ارشاد ہے: ”حق تعالیٰ شانہ تمہاری صورتوں اور

تمہارے مال کو نہیں دیکھتے بلکہ تمہارے قلوب اور تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں۔" پس سب سے اہم اور اصل شے یہ ہے کہ اس کام کو خلوص کے ساتھ کیا جائے، ریا و نمود کو اس میں دخل نہ ہو۔ جس قدر اخلاص ہو گا اسی قدر کام میں ترقی اور سرسبزی ہوگی۔ اس دستور العمل کا مختصر خاکہ آپ کے سامنے آگیا اور اس کی ضرورت و اہمیت پر بھی کافی روشنی پڑی۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ موجودہ کشمکش اور اضطراب و بے چینی میں یہ طریق کار کس حد تک ہماری رہبری کر سکتا ہے؟ اور کہاں تک ہماری مشکلات کو دور کر سکتا ہے؟ اس کے لیے پھر ہمیں قرآن کریم کی طرف رجوع کرنا ہو گا۔ قرآن کریم نے ہماری اس جدوجہد کو ایک سود مند تجارت سے تعبیر کیا ہے اور اس کی جانب اس طرح رغبت دلائی ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُجَنِّبُكُمْ مِّنْ عَذَابِ أَلِيمٍ ۚ تَوَافِقُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ وَأَنْتُمْ حَاهِدُونَ ۚ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ ۖ وَأَنْفُسِكُمْ ۖ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۚ يُغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۚ وَذَلِكُمْ جَنَّتْ تَجْرِي مِّنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَمَسَاكِينُ ظِلْمَةٌ فِي جَنَّاتٍ عِذْنِ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۚ وَأَخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا نَصْرَ مِنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِيرُ الْمُؤْمِنِينَ ۚ ﴾ [الصف: ۶۱، ۱۳۱۱]

”اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی سوداگری بتاؤں جو تم کو ایک دردناک عذاب سے بچائے تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں تم اپنے مال و جان سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہوں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے اور ایک اور بھی ہے کہ تم اس کو پسند کرتے ہو، اللہ کی طرف سے مدد اور جلد فتح پائی اور آپ مؤمنین کو بشارت دے دیجئے۔“

اس آیت میں ایک تجارت کا تذکرہ ہے جس کا پہلا ثمرہ یہ ہے کہ وہ عذابِ الیم سے نجات دلانے والی ہے۔ وہ تجارت یہ ہے کہ ہم خدا اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائیں اور خدا کی راہ میں اپنے جان و مال کے ساتھ جہاد کریں۔ یہ وہ کام ہے جو ہمارے لیے سراسر خیر ہے اگر ہم میں کچھ بھی عقل و فہم ہو۔ اس معمولی کام پر ہمیں کیا منافع ملیں گے؟ ہماری تمام لغزشوں اور کوتاہیوں کو ایک دم معاف کر دیا جائے گا اور آخرت میں بڑی بڑی نعمتوں سے سرفراز کیا جائے گا۔ یہی بہت بڑی کامیابی اور سرفرازی ہے۔ مگر اس پر بس نہیں بلکہ ہماری چاہتی چیز بھی ہمیں دے دی جائے گی اور وہ دنیا کی سرسبزی اور نصرت و کامیابی اور دشمنوں پر غلبہ و حکمرانی ہے۔

حق تعالیٰ نے ہم سے دو چیزوں کا مطالبہ کیا۔ اول یہ کہ ہم خدا اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان

لائیں۔ دوسرے یہ کہ اپنے جان و مال سے خدا کی راہ میں جہاد کریں اور اس کے بدلے میں دو چیزوں کی ہم سے ضمانت کی۔ آخرت میں جنت اور ابدی چین اور راحت اور دنیا میں نصرت و کامیابی۔ پہلی چیز جو ہم سے مطلوب ہے وہ ایمان ہے۔ ظاہر ہے کہ ہمارے اس طریق کا نشانہ بھی یہی ہے کہ ہمیں حقیقی ایمان کی دولت نصیب ہو۔ دوسری چیز جو ہم سے مطلوب ہے وہ جہاد ہے جہاد کی اصل اگرچہ کفار کے ساتھ جنگ اور مقابلہ ہے مگر درحقیقت جہاد کا نشانہ بھی اعلاء کلمۃ اللہ اور احکامِ خداوندی کا نفاذ اور اجراء ہے اور یہی ہماری تحریک کا مقصد اصلی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ جیسا کہ مرنے کے بعد کی زندگی کا خوشگوار ہونا اور جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہونا، خدا اور رسول ﷺ پر ایمان لانے اور اس کی راہ میں جدوجہد کرنے پر موقوف ہے۔ ایسا ہی دنیوی زندگی کی خوشگواوری اور دنیا کی نعمتوں سے منتفع ہونا بھی اس پر موقوف ہے کہ ہم خدا اور رسول ﷺ پر ایمان لائیں اور اپنی تمام جدوجہد کو اس کی راہ میں صرف کریں۔

اور جب ہم اس کام کو انجام دے لیں گے یعنی خدا اور رسول پر ایمان لے آئیں گے اور اس کی راہ میں جدوجہد کر کے اپنے آپ کو اعمالِ صالحہ سے آراستہ بنا لیں گے تو پھر ہم ژوئے زمین کی بادشاہت اور خلافت کے مستحق ہو جائیں گے اور سلطنت و حکومت ہمیں دے دی جائے گی۔

﴿ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ ۖ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ ﴾ [النور: ۵۵]

”تم میں جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی اور جس دین کو ان کے لیے پسند کیا ہے اس کو ان کے لیے قوت دے گا اور ان کے اس خوف کے بعد اس کو امن سے بدل دے گا بشرطیکہ میری ہدایت کرتے رہیں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔“

اس آیت میں تمام امت سے وعدہ ہے ایمان و عمل صالح پر حکومت دینے کا جس کا ظہور عمد نبوی ﷺ سے شروع ہو کر خلافت راشدہ تک متصلاً متدرج رہا۔ چنانچہ جزیرہ عرب آپ کے زمانے میں اور دیگر ممالک زمانہ خلفاء راشدین میں فتح ہو گئے اور بعد میں بھی وقتاً فوقتاً گواصل نہ ہو۔ دوسرے صلحاء ملوک و خلفاء کے حق میں اس وعدہ کا ظہور ہوتا رہا اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: